دوسری قسط

عربی زبان تاریخ کے تناظر میں

مولانا عمید الزماں قاسمی کیرانوی

لغت قریش کی بالادستی: عملِ زوال وارتقا کے بعد بچ رہنے والی عربی زبان اور مختلف مقامی عربی بولیوں کے بولنے والے حالانکہ عرب ہی کہلاتے تھے، لیکن وہ کسی مربوط اکائی کی طرح ایک گروہ نہ تھے بلکہ وہ مختلف قبائل میں بٹے ہوئے اور جزیرۂ عرب کے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان میں سے ہر قبیلہ دوسرے قبائل سے مختلف وممتاز تھا اور اس اختلاف وتمیز کی بنیاد تھی، ان میں سے ہر ایک کا اپنا جغرافیائی ماحول، قدرتی واجتماعی احوال و ظروف، فکر ووجدان کے امتیازی پہلو، بود وباش اور رہن سہن کے طریقے اور ثقافت ومعرفت کے وسائل کی فراہمی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جب زبانیں روئے زمین کے بڑے اور وسیع علاقوں میں پھیلتی ہیں، اور ان کے بولنے والے مختلف انداز واطوار کے گروہ ہوتے ہیں، تو لمبے عرصہ تک ان کی ابتدائی وحدت کو محفوظ رکھنا مشکل ہوجاتا ہے، وہ مختلف بولیوں میں تبدیل ہوجاتی ہیں اور ان میں سے ہر بولی دوسری بولی سے بہت سے الفاظ کے تلفظ، مفہوم ومعنی اور قواعد وغیرہ میں مختلف ہوجاتی ہے۔

دوسری زبانوں کی طرح زیر بحث عربی زبان پر بھی یہ قانون فطرت صادق آتا ہے۔ زمانۂ قدیم سے اس کی تقسیم در تقسیم نے نوع بہ نوع بولیوں کی شکل اختیار کی اور ان میں سے ہر ایک کا دوسری بولی کے ساتھ بہت سے مظاہرِ صوتی، قواعد، مفردات اور دلالت معنی میں اختلاف ظاہر ہوا۔

یکساں اجتماعی وقدرتی احوال میں رہنے والے ہر قبیلہ کی ایک جداگانہ بولی ہوگئی جس کی اپنی خوبیاں اور امتیازی پہلو تھے، لیکن مختلف بولیاں بولنے والے ان مختلف قبائل کے لوگوں کو بسلسلۂ تجارت اور دوسری اشیاء کے لین دین کی ضرورت کے تحت ملنے ملانے کے مواقع فراہم ہوتے تھے۔ چنانچہ بازاروں میں ان کے درمیان لین دین اور ملنا جلنا ہوتا، یا جنگوں اور لڑائیوں کے وقت ان کے درمیان ربط واتصال کی شکلیں پیدا ہوتیں، ان اتصالات وروابط کے نتیجہ میں مختلف بولیوں کے درمیان ایک دوسرے پر غلبہ وسبقت کی آویزش شروع ہوتی اور ان میں سے جو

بولی کمزور ہوتی وہ ختم ہوجاتی اور جو مضبوط ہوتی اس کا پھیلاؤ بڑھ جاتا، آویزش کا یہ عمل جاری رہا، یہاں تک کہ تمام عرب بولیوں میں اہل قریش کی بولی کو غلبہ اور بالادستی حاصل ہوگئی۔ چنانچہ بول چال میں دوسری تمام بولیوں کے مقابلہ میں اسی کا چلن عام ہوگیا اور ادب کے جملہ میدانوں، شعرونثر اور خطابت میں اسی بولی کو مسلمہ زبان کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ جب بھی کوئی عرب خطابت کرتا، نثر لکھتا یا شعر کہتا، اپنے قبیلہ اور اپنی بولی سے صرف نظر کرتے ہوئے لغت قریش ہی میں طبع آزمائی کرتا۔ اس لغت کو جو غلبہ وتفوق حاصل ہوا اس کے کچھ بنیادی اسباب تھے، ان میں سے اہم یہ ہیں۔

دینی برتری: اہل قریش کو ایک ممتاز دینی پوزیشن حاصل تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ کعبہ شریف کی خدمت و پاسبانی کا فریضہ انجام دیتے تھے، جہاں بیشتر قبائل اپنے معبودوں کی پرستش، نیز انھیں اپنی قربانیاں پیش کرنے اور تجارتی منافع کی حصولیابی کے لیے مسلسل آیا جایا کرتے تھے۔ اس طرح اہل قریش کو بقیہ قبائل پر دینی بالادستی اور برتری حاصل تھی۔

اقتصادی برتری: اہل قریش کو دینی اقتدار کے ساتھ ساتھ بڑے پیمانے پر اقتصادی برتری بھی حاصل تھی، اس لیے کہ تجارت کی زمام کار انہی کے ہاتھوں میں تھی۔ وہ لوگ گرمی کے موسم میں شام سے اور موسم سرما میں یمن سے سامان تجارت لاتے تھے پھر دوسرے عرب قبائل میں اسے فروخت کرتے تھے۔ اس طرح وہ تمام اہلِ عرب کی نگاہوں کا مرکز بن گئے تھے، دوسری طرف اس تجارتی سرگرمی کے باعث دولت وثروت پر بھی ان کا تسلط قائم ہوگیا تھا۔ قرآن کی ان آیتوں میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے: لإيلاف قريش إيلافهم رحلة الشتاء الخ:

سیاسی برتری: قریش کا سیاسی اثر ونفوذ مذکورہ بالا دینی واقتصادی عوامل، ان کے ملک کی جائے وقوع، نیز اس تہذیب وتمدن اور علم کا فطری نتیجہ تھا، جو اس خطہ کا طرۂ امتیاز تھا اور اس طرح تمام عربوں میں ان کا اثر ونفوذ بڑھ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلافت کے سلسلہ میں انصار نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو اس کے جواب میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ فرمایا اس میں بھی اس طرف اشارہ ملتا ہے: ''عرب صرف قبیلۂ قریش ہی اطاعت گزاری کرتے ہیں لہٰذا اپنے بھائیوں کے ساتھ اس فضیلت میں منافست نہ کرو جس سے اللہ نے ان کو نوازا ہے۔''

لسانی برتری: اہل قریش اپنی زبان کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑے نہیں ہوئے، بلکہ اس کے فروغ وترقی کے لیے کوشاں رہے۔ چنانچہ انھوں نے اس میں اپنی ضرورت کے وہ تمام الفاظ شامل کر لیے جن کی حلاوت

ان کے کانوں نے اور سبک پن اور سلامت ان کی زبانوں نے محسوس کی۔لہٰذا تمام عرب بولیوں میں اہل قریش کی زبان کو الفاظ کی کثرت، اسلوب کی رقت اور کسی بات کو مختلف طریقوں سے بیان کرنے کی قدرت کے اعتبار سے فوقیت و برتری حاصل ہوگئی۔

اس زبان کے بولنے والوں کے لیے عروج وترقی کے جو وسائل اور مختلف بولیوں کے لوگوں سے میل جول کے جو مواقع فراہم ہوئے ان سے اہل قریش کی زبان نے بڑے پیمانے پر استفادہ کیا، جس سے اس کے نقائص دور ہوگئے اور ذخیرۂ الفاظ میں بہت وسعت آ گئی۔

ان تمام عوامل نے مجموعی طور پر اہل قریش کی زبان کو غلبۂ وکامیابی سے ہمکنار کیا اور اہل قریش کی دینی پوزیشن اور سیاسی واقتصادی طاقت کی وجہ سے وہ تمام عربوں کی زبان بن گئی، اس لیے کہ اس کا ذخیرۂ الفاظ اپنی تمام ہمجولی زبانوں کے مقابلہ میں وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا اور نتیجتاً کسی بات کو مختلف انداز ومتنوع اسالیب سے بیان کرنے کی صلاحیت بھی بڑھ گئی۔اہل قریش کی زبان کا دوسری عرب بولیوں پر اس طرح غلبہ وفوقیت حاصل کرنا کوئی حیرت کی بات نہ تھی، بلکہ یہ زبانوں کی تاریخ اور ان کی فطری ترقی کے عمل کے عین مطابق تھا۔

مندرجہ بالا تفصیلات کے خلاصے کے طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اہل قریش کی زبان کو دوسری عرب بولیوں کے ساتھ اپنی مسابقتی آویزشوں کے نتیجہ میں مندرجہ ذیل فائدے حاصل ہوئے:

لغت قریش نے دوسری بولیوں کے بہت سے مفرد الفاظ کو اپنے اندر جذب کرنے کے علاوہ ان اسالیب بیان سے استفادہ کیا اور ان کو اپنایا جو اس کے پاس نہ تھے اور اس طرح اس کو اپنی ضرورت کے اظہار، مقاصد کی تعبیر اور افہام وتفہیم کی قدرت حاصل ہوگئی اور وہ مشترک ومترادف اور متضاد الفاظ سے مالا مال ہوگئی۔ وہ بلا استثناء تمام عربوں کی قومی زبان بن گئی۔اس کا سبب وہ فطری قاعدہ تھا کہ جب مختلف زبانوں میں موت وحیات اور زوال وبقا کی لڑائی ہوتی ہے تو اس میں فتح یاب ہونے والی زبان کا اثر ونفوذ بڑھ جاتا ہے۔زیادہ سے زیادہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہونے لگتے ہیں۔

اس طرح اہل قریش کی زبان کو شعرا اپنے اشعار میں اور مقررین وخطبا اپنے خطبوں میں استعمال کرنے لگے اس لیے کہ یہ ان کی ضرورت بن چکی تھی، کیونکہ کوئی بھی شاعر یا خطیب اگر اپنا پیغام عربوں کے سواد اعظم کو پورے طور پر اور مؤثر انداز میں پہنچانا چاہتا، تو اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ ان الفاظ وصفات سے گریز کرے جو کسی مخصوص مقامی بولی کے ساتھ خاص ہوں اور لوگوں کو اپنی بات اس زبان میں پہنچائے جس سے وہ سب، مانوس وآگاہ ہوں اور ایسی مثالی ادبی زبان کا درجہ صرف لغت قریش ہی کو حاصل تھا۔

اس طرح مختلف ماحول سے تعلق رکھنے والے شعراء کے لیے یہ بھی لازم تھا کہ وہ ایسی زبان میں شعر کہیں جس میں محض گھن گرج نہ ہو، بلکہ وہ انتہائی فصیح و بلیغ ہو، تاکہ سامعین کی طرف سے تحسین وآفرین کے مستحق ہوں اور ان کا مذاق نہ اڑے اور اگر ایسا نہ ہوتا، یعنی ایک ہی زبان یا بولی کے استعمال کو معیار نہ مانا جاتا تو شعراء کے درمیان ہونے والے ادبی مقابلوں میں ایک شاعر کو دوسرے پر ترجیح دینا کیسے ممکن ہوتا؟ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو زبان اس طرح کے اجتماعی مواقع پر استعمال ہوتی تھی وہ ایک ہی تھی۔ اس کے برخلاف ایسے مواقع شاید ہی کبھی آتے ہوں جن میں مختلف بولیوں سے واقفیت کی ضرورت پڑتی ہو۔

قرآن کریم کا نزول: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب وعجم، سب کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا تھا۔ لیکن چونکہ آپ خود عرب تھے اور آپ کے اولین مخاطب بھی عرب تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن کریم کو بھی تمام عربوں کی مشترکہ ومتحدہ زبان، لغتِ قریش ہی میں نازل کیا۔ اسلام نے اس زبان کو صلاۃ وزکاۃ اور صوم وحج جیسے خاص شرعی مفاہیم رکھنے والے الفاظ عطا کیے۔

لغت قریش کی بالادستی میں اضافہ: قرآن کریم لغت قریش میں نازل ہوا اور چونکہ وہ عبادات اور تمام امور شریعت کا سرچشمہ ہے، اس لیے اس زبان کی پوزیشن اور زیادہ مضبوط اور اس کی بالادستی مزید مسلّم ومستحکم ہوگئی۔ دین اسلام میں جو لوگ داخل ہو رہے تھے وہ اس زبان کو کتاب اللہ کی زبان ہونے کی وجہ سے عظمت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اس لیے اس کی قدر ومقبولیت مسلسل بڑھتی ہی چلی گئی اور نتیجہ کے طور پر اس کی اہمیت میں روز افزوں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

متعدد ومتنوع مقامی بولیوں کے سلسلہ میں مختلف ادوار میں اجتماعی وسیاسی عوامل کے تغیر کی وجہ سے نقطۂ نظر اور رویہ میں تبدیلیاں آتی رہیں۔ اسلام سے قبل کے دور کو جب ہم دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر قبیلہ اپنی عام گفتگو میں اپنی کلامی صفات کے استعمال کا اہتمام کرتا اور اسی طرح ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کے ساتھ گفتگو اور مخاطبت میں بھی اس کی پابندی کرتا۔ لیکن یہ چیز عوام کے ساتھ خاص تھی جب کہ ان قبائل کے خواص اپنے اہم معاملات میں مکہ میں نشو ونما پانے والی مثالی زبان ہی کا سہارا لیتے، چنانچہ شعر گوئی اور اپنے خطبوں اور مناظروں میں وہ اس زبان کا استعمال کرتے تھے۔ (''عکاظ'') کی طرح کے ادبی مقابلوں کے تمام شرکاء مقامی بولیوں کی صفات کے استعمال سے گریز کرتے تھے تاکہ لوگوں کی نظروں میں ان کا معیارِ کلام گرنے نہ پائے۔ چنانچہ مختلف قبائل کے سربراہ (''سوق عکاظ'') میں اپنی اپنی خاص بولیوں میں خطبہ دینا عیب سمجھتے تھے، جب کہ یہی سربراہان قبائل اپنے قبیلہ کے ساتھ

دوران گفتگو اپنی بولی کے علاوہ کسی اور بولی میں بات چیت کرنا بھی معیوب سمجھتے تھے۔ یہی طریقہ بلا استثناء تمام قبائل عرب میں دائر وسائر تھا۔ بنابریں دور جاہلیت کی ایسی روایات نہیں ملتی ہیں جن میں کسی بھی قبیلہ کی صفاتِ کلامی کا مذاق اڑایا گیا ہو۔

چونکہ اسلام عرب عوام وخواص دونوں کے لیے بلکہ پوری نوع انسانی کے لیے ایک عمومی پیغام تھا اور اس کا مقصد عوام وخواص کے قلوب کو جوڑنا بھی تھا، اس لیے قرآن کو بعض قبائل کی کچھ بولیوں کی خصوصیات کے ساتھ پڑھنا جائز قرار دیا گیا اس میں یہ حکمت الٰہی بھی تھی کہ بعض عرب عوام کے لیے اس کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ اس حدیث شریف میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے: ''انزل القرآن علی سبعة أحرف '' (قرآن نازل کیا گیا سات حرفوں پر)۔ اس کا مقصد عرب عوام کی آسانی اور ان کی تالیف قلب تھی۔

اس طرح قرآن کریم اگر چہ ایک ہی بولی اور ادب کی متحدہ زبان ہی میں نازل ہوا، لیکن تلاوت میں اس متحدہ زبان کے کچھ قواعد کی مخصوص جگہوں پر، خلاف ورزی بھی جائز قرار دیدی گئی۔

پھر جب بلاد اسلامیہ کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوا اور بہت سے علاقے اس میں ضم ہو گئے، تو اس کی وحدت کی ضمانت اور انتشار وتفریق کے عوامل کے خاتمہ کے لیے ضروری ہو گیا کہ مقامی طور پر بھی عرب بولیوں کو اتنی اہمیت نہ دی جائے کہ وہ مختلف قبائل کے درمیان عصبیت اور بُعد کا سبب بن کر ان کی قوت کی شکستگی، عزم وحوصلہ کی کمی، ان کے انتشار اور شیرازہ بکھرنے کا باعث بن جائے۔ چنانچہ ان بولیوں اور ان کی خصوصیات کی طرف سے بے توجہی بڑھتی گئی، نتیجہ کے طور پر زبان وادب اور تاریخ کی کتابوں کے اوراق میں ان کا ذکر بہت کم پڑھنے کو ملتا ہے۔

اوپر سرسری طور پر بیان کیا گیا کہ اہل قریش کی بولی بقیہ تمام عرب بولیوں میں انتہائی اہم اور امتیازی مقام رکھتی تھی۔ وہ تمام عربوں کے رابطہ کی زبان بھی تھی اور مختلف ادبی مقابلوں میں بھی ہر ادیب وخطیب یہی زبان استعمال کرتا تھا۔ اس طرح قرآن کریم کا اسی زبان میں نازل ہونا بالکل فطری وبدیہی تھا۔ اس زبان میں قرآن کریم کے نزول سے اس کی بالادستی اور زیادہ مضبوط ومستحکم ہو گئی۔

اس کے علاوہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ بعض سامی زبانوں کے زوال کو ذہن میں رکھتے ہوئے دیکھا جائے، تو خود عربی زبان کی بحیثیت مجموعی بقا کے لیے ہی کیا ضمانت تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ معدوم زبانوں میں شامل ہو جاتی اور اس کی شکل وصورت ایسی مسخ ہوتی کہ ایک نئی زبان وجود میں آجاتی۔

استاذ عباس محمود العقاد مقدمۃ الصحاح کے پیش لفظ میں رقم طراز ہیں:

اکثر کہا جاتا ہے کہ عربی زبان کی بقاء اس حقیقت کی رہین منت ہے کہ وہ قرآن کریم کی زبان ہے۔ بلاشک و

شبہ یہ ایک صحیح بات ہے، لیکن قرآن کی وجہ سے اس کو جو بقاودوام حاصل ہوا اس کا سبب یہ ہے کہ اسلام کسی ایک قبیلہ یا ایک قوم کا مذہب نہیں بلکہ وہ پوری نوع انسانی کا دین ہے۔ اس بات کی دلیل یہ ہے کہ عبرانی زبان مردنی کا شکار ہوگئی، حالانکہ وہ ایک مذہبی زبان ہے۔ یا یوں کہیے کہ وہ ایک ایسی کتاب کی زبان ہے جس کو ماننے والی قوم موجود تو ہے لیکن وہ اس زعم میں مبتلا ہے کہ اللہ کی جانب سے خطاب کے لیے صرف وہی مخصوص ہے اور کوئی اس کا سزاوار نہیں۔ عبرانی زبان کی موت اسی لیے ہوئی کہ اس میں وہ نرمی و لچک باقی نہ رہی جس کے ذریعہ وہ عصبیت کے اس تنگ دائرہ سے نکلتی جس کو اس کے بولنے والوں نے صدیوں قبل اس کے گرداگرد بنایا تھا اور جو آفاقی زبان بننے کے لیے ازبس ضروری تھی۔

اسلام نے فضیلت کو انسانیت کے لیے عام کیا اور اعلان کیا کہ کسی عربی و عجمی اور قریشی و حبشی میں کوئی فرق نہیں۔ اسلام کی اسی انسانی فضیلت نے عربی زبان کی خدمت کے لیے خود اہل عجم کو آمادہ کیا، ان کو ڈر ہوا کہ کہیں عربی زبان عجمیت سے متاثر نہ ہوجائے، یعنی ان کو عربی زبان کے سلسلے میں خود اپنی مادری زبانوں سے خطرہ محسوس ہونے لگا، کیونکہ اسلام کی کتاب قرآن کریم پر ایمان رکھنے والوں کے درمیان مساوات کی بنا پر عربی ان کی بھی برابر کی زبان تھی۔ اگر یہ کتاب یعنی قرآن عصبیت کی حامل ہوتی اور ورثۂ دین میں ایک مخصوص زبان کے بولنے والوں کے علاوہ کسی کو شریک نہ کرتی، تو اہل عجم میں عربی کے سلسلہ میں ابناء قحطان وعدنان کی سی غیرت وحمیت پیدا نہ ہوتی۔

استاذ احمد عبدالغفور عطار اپنی تالیف مقدمۃ الصحاح (ص ۱۳) میں لکھتے ہیں: بلاشبہ عربی زبان اسلام کے عہدِ اول میں اپنی عظمت کی بلندیوں کو پہنچی، جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ دین کا ایک حصہ بن گئی تھی۔ لیکن اہل زبان دورِ جاہلیت ہی سے عربی کو مرکز توجہ بنائے ہوئے تھے۔ البتہ اس اہتمام وتوجہ میں نمایاں اضافہ طلوع اسلام کے بعد ہوا۔ چنانچہ عہد نبوت اور اسلام کے دورِ اول میں لوگوں نے عربی کو بہت زیادہ اہمیت دی اور ان کو اس کی چاہت کے ساتھ حفاظت کی فکر دامن گیر رہنے لگی، کیونکہ قرآن، مذہب اور رسول صادق وامین کی زبان تھی۔

پھر جب اسلامی فتوحات کا دائرہ بڑھنے لگا تو یہ التفات واہتمام ایک اور جانب مبذول ہوگیا۔ ان فتوحات کے نتیجہ میں مفتوحہ ممالک اور مغلوب قوموں کی زبانوں سے دخیل الفاظ کا ایک ریلا سا آ گیا، چنانچہ علماء نے اپنا فرض جانا کہ زبان کی حفاظت، اس کے دفاع اور دوسری زبانوں کے الفاظ کی طغیانی سے بچاؤ کے لیے کمربستہ ہوکر تنقیح و تدوینِ لغت کے میدان میں سرگرم عمل ہوجائیں۔

(جاری ہے)

☆☆☆